۲۴

# تعلق باللہ و شفقت علیٰ خلقِ اللہ کی لطیف تشریح

(فرمودہ ۲۹ - ستمبر ۱۹۳۳ء)

تشہد، تعوّذ اور سورۃ فاتحہ کی تلاوت کے بعد فرمایا:-

اللہ تعالیٰ نے جہاں انسان کو اس غرض کیلئے پیدا کیا ہے کہ وہ صفات الٰہیہ کا مظہر ہو، وہاں اس مقصد کے حصول کیلئے اس نے کچھ ذرائع بھی مقرر کردیئے ہیں- کچھ تو ایسے ذرائع ہیں جو انسان کی نگاہ کو خالص اللہ تعالیٰ ہی کیلئے کردیتے ہیں جیسا کہ نماز ہے، روزہ ہے- اور کچھ ایسے ہیں جو اس کی توجہ کو بندوں کی طرف پھیردیتے ہیں- کیونکہ اللہ تعالیٰ کی دو قسم کی جلوہ گریاں ہیں- اس کی ایک صفاتِ تنزیہی کہلاتی ہے جو اس کو منزّہ اور پاک ٹھہراتی ہیں ان تمام قسم کی کثافتوں سے جو مادیات میں پائی جاتی ہیں، مخلوقات میں نظر آتی ہیں- اور ایک ایسا جلوہ ہے جسے وہ تنزّل اختیار کرکے ظاہر کرتا ہے- یہ صفات اس کی صفاتِ تشبیہ کہلاتی ہیں- یعنی ایسی صفات جو مخلوقات کی صفات سے مشابہہ نظر آتی ہیں- گویا اس کے یہ جلوے اس کی مخلوق کے ذریعہ نظر آتے ہیں- دنیا کا ذرہ ذرہ قطع نظر اس سے کہ بُرا ہو یا اچھا، قطع نظر اس سے کہ نجس ہو یا پاک، قطع نظر اس سے کہ سُکھ دینے والا ہو یا دکھ دینے والا، قطع نظر اس سے کہ غضب ظاہر کرنے والا ہو یا محبت ظاہر کرنے والا، اس میں اللہ تعالیٰ کا جلوہ نظر آتا ہے اور ہر دیکھنے والے کو نظر آتا ہے-

پس جہاں اس نے اپنی صفاتِ تنزیہہ کے سمجھنے کیلئے ایسی عبادتیں مقرر کی ہیں جو مخلوقات کی طرف سے انسان کو لاپرواہ کرکے اس کی نظر کو آسمان کی طرف بلند کردیتی ہیں جیسا

کہ نماز ہے' روزہ ہے' حج ہے' وہاں اس نے اپنی صفاتِ تشبیہہ دکھانے کیلئے اور اپنی صورت تنزلیہ کو ظاہر کرنے کیلئے کچھ ایسے احکام بھی دیئے ہیں جن میں انسان کی نظر بندوں کی طرف جاتی ہے۔ تب وہ اللہ تعالیٰ کی ان صفات کو دیکھتا ہے جو اس کے بندوں کے ذریعہ ظاہر ہوا کرتی ہیں۔ اور یہی صورت مکمل ہوتی ہے۔ وگرنہ ان میں سے کوئی ایک پہلو اپنی علیحدہ صورت میں مکمل نہیں کہلا سکتا۔ جو لوگ صفاتِ تشبیہہ دیکھنے کے عادی ہوتے ہیں صفاتِ تنزیہہ کو نہیں دیکھتے یا انہیں نہیں جانتے۔ وہ لوگ غلطی سے وحدت الوجود کے مرض میں مبتلاء ہو جاتے ہیں۔ ہمہ اوستی کہلانے لگ جاتے ہیں۔ وہ پیالے کے اندر کے شربت کو تو بھول جاتے ہیں مگر پیالے کو حقیقی مقصود قرار دے لیتے ہیں۔ لیکن وہ لوگ جو صفاتِ تشبیہہ سے نظر ہٹالیتے ہیں اور صفاتِ تنزیہہ کی طرف نظر رکھتے ہیں' وہ بھی دھوکا میں پڑجاتے ہیں اور اللہ تعالیٰ کو ایسا محدود قرار دینے لگ جاتے ہیں جس سے خدا کی خدائی ہی باطل ہو جاتی ہے۔ ایک علیحدہ عرش پر بیٹھے ہوئے دنیا وَمَافِیْهَا سے الگ تھلگ خدا کو ایسی محدود صورت میں پیش کرتے ہیں جس کو قبول کرنے کیلئے انسانی عقل تیار نہیں ہوسکتی۔ ایسے لوگ آہستہ آہستہ دعا کی قبولیت کا انکار کر دیتے ہیں اور کہتے ہیں ایک قانون ہے جو خدا نے جاری کردیا' اس کے مطابق چاہے کوئی مرے یا جیئے' دعا اس میں کچھ نہیں کرسکتی۔ اور کچھ ایسے لوگ ہوتے ہیں جو کہتے ہیں کہ قانون کیا؟ ایسی منزّہ ہستی کو قانون جاری کرنے کی کیا ضرورت ہے۔ بندے آپ ہی آپ پیدا ہوئے اور آپ ہی آپ ایک وقت مقررہ کے بعد دنیا سے چلے جاتے ہیں' خدا کو دنیا سے کیا واسطہ۔ اسی قسم کے خیالات ترقی کرتے کرتے بعض لوگوں کو وساوس کی دنیا میں ڈال کر آخر دہریہ بنادیتے ہیں۔ مگر کامل مذہب وہی ہے جو خدا تعالیٰ کی ان دونوں قسم کی صفات کو پیش کرتا ہے۔ وہ ایک طرف تو خدا تعالیٰ کی شان کو ایسی منزّہ صورت میں پیش کرتا ہے کہ مخلوق کی عادات' اطوار اور شمائل کو خدا تعالیٰ سے علیحدہ ثابت کرتا ہے اور دوسری طرف اس کے چہرے کو دنیا کے ذرہ ذرہ میں اس طرح دکھادیتا ہے کہ ہر سمجھدار انسان کو یہ یقین ہوجاتا ہے کہ باوجود ایسی منزّہ شان رکھنے کے وہ دنیا سے غافل نہیں بلکہ دنیا کا ہر ذرہ اس کی شان کو ظاہر کررہاہے۔ یہی کیفیت جب بعض لوگوں کے قلوب پر ایک خاص اثر پیدا کرتی ہے تو وہ خاص خاص کیفیات کے ماتحت اپنے اندر ایک خاص قسم کے روحانی جذبات پیدا ہوتے محسوس کرتے ہیں جنہیں لوگ خدا کو دیکھنے یا خدا کی جلوہ گری کے دیکھنے سے موسوم کیا کرتے ہیں۔

حضرت نظام الدین صاحب اولیاء جو کہ دہلی کے بہت بڑے بزرگ گزرے ہیں اور نظامیہ سلسلہ ان کے نام پر جاری ہے' حضرت معین الدین صاحب چشتی کے خلفاء میں سے تھے- بیان کیا جاتا ہے کہ وہ ایک دن بازار میں سے گزر رہے تھے- بہت سے شاگرد ان کے ساتھ تھے- انہوں نے راستہ میں ایک خوبصورت بچہ دیکھا اور بڑھ کر اسے پیار کیا- شاگردوں نے بھی بڑھ بڑھ کے اسے پیار کرنا شروع کردیا- اور یہ خیال کیا کہ چونکہ ہمارے پیر نے ایسا کیا ہے اس لئے اس میں کوئی نہ کوئی حکمت ضرور ہوگی- مگر ان کے ایک مقرب شاگرد جو دوسرے تمام شاگردوں سے ممتاز سمجھے جاتے تھے' انہوں نے اس موقع پر بچہ کو پیار نہ کیا بلکہ خاموش کھڑے رہے- بعض تنگ نظروں نے انہیں حقارت کی نگاہ سے دیکھا اور کہا ایسا مقرب شاگرد ہو کر پیر کی متابعت نہیں کرتا- حضرت نظام الدین صاحب آگے بڑھے تو راستہ میں ایک بھڑبھونجے کی بھٹی نظر آئی - آگ جل رہی تھی- چونکہ بھڑبھونجے لکڑیاں نہیں جلاتے بلکہ پتے وغیرہ جمع کرلیتے ہیں اور انہی سے بھٹی میں آگ روشن کرتے ہیں' اس لئے بڑے بڑے شعلے نکلتے ہیں- انہوں نے جونہی آگ کے شعلوں کو دیکھا نہایت اطمینان سے جھکے اور آگ کے شعلہ کو بوسہ دیا- تب باقی شاگرد تو پیچھے ہٹ گئے مگر وہ جس نے بچہ کو بوسہ نہ دیا تھا' آگے بڑھا اور اس نے بھی آگ کو بوسہ دیا- اور اپنے ساتھیوں سے کہا اب کیوں اسے بوسہ نہیں دیتے- پھر ان سے کہنے لگا اے نادانو! کیا تم نے یہ سمجھا تھا کہ انہوں نے بچہ کو بوسہ دیا- حضرت نظام الدین صاحب کو اس بچہ میں خدا کا جلوہ نظر آیا- اور وہ اُس وقت ایسی محویت میں تھے کہ انہوں نے بوسہ دیا مگر بچے کو نہیں بلکہ انہوں نے خدا کی صنعت کو بوسہ دیا- مجھے اس میں خدا کی صنعت نظر نہ آئی' میں نے اسے صرف بچہ ہی سمجھا' اس لئے بوسہ نہ دیا- پھر یہاں آکر انہوں نے آگ میں خدا کی جلوہ گری دیکھی جو مجھے بھی نظر آگئی اور میں نے اسے بوسہ دیا- پس دونوں جگہ خدا کی جلوہ گری تھی- اور وہی اس بات کی مستحق تھی کہ اسے بوسہ دیا جائے- مگر ایک جگہ مجھے نظر نہ آئی اور ایک جگہ نظر آگئی- غرض ایسی کیفیات کہ ہر ذرہ میں خدا نظر آتا ہے روحانی انسانوں پر وارد ہوتی رہتی ہے- مگر وہ کیفیت بھی وارد ہوتی ہے جبکہ دنیا کا ہر ذرہ حقیر نظر آتا ہے- اور ذرہ تو بہت چھوٹی چیز ہے' زمین و آسمان اور اس کا مجموعہ بھی حقیر نظر آتا ہے- جب وہ سمجھتا ہے کہ دنیا میں سوائے خدا کے کچھ نہیں- اور جب بجائے وجود کے عدم میں خدا نظر آنے لگتا ہے- یہ خدا تعالیٰ کی صفات تنزیہہ کا جلوہ ہوتا ہے- کامل انسان

کے اندر یہ دونوں چیزیں پائی جاتی ہیں- اگر وہ ایک قسم کی چیزیں دیکھے اور دوسری قسم کی چیزوں کو نہ دیکھے تو اس کے معنی یہ ہوں گے کہ وہ کسی ابتلاء میں ڈالا گیا ہے- ورنہ جس شخص کو خدا تعالیٰ اپنا حقیقی قرب عطا کرتا ہے' اسے دونوں لحاظ سے کمال دیتا ہے- اسی لئے اللہ تعالیٰ نے جہاں نماز' روزہ اور حج کی عبادت مقرر کی ہے وہاں اس نے زکوٰۃ صدقات اور بنی نوع انسان سے شفقت و محبت سے پیش آنے کا بھی حکم دیا ہے- ان احکام کی غرض یہ ہے کہ جب انسان یہ کام کرے گا اور خدا کیلئے کرے گا تو خدا کا نور اسے ان چیزوں میں بھی نظر آنے لگے گا- وہ شخص جو خدا کو ایک بادشاہ کی بادشاہت میں دیکھتا ہے جب وہ ایک فقیر کو دیکھے گا تو اس کی کمزور حالت میں بھی اسے خدا کا جلوہ نظر آجائے گا- گویا ایک بادشاہ کی بادشاہت میں ہی اسے خدا کا جلوہ نظر نہیں آتا بلکہ فقیر کی فقیری میں بھی نظر آتا ہے- تندرست کی تندرستی میں ہی اسے خدا کا جلوہ دکھائی نہیں دیتا بلکہ بیمار کی بیماری اور ضعیف کی ضعیفی میں بھی نظر آتا ہے- تب اس کیلئے خدا کی ایک مکمل صورت پیدا ہوجاتی ہے- اور مکمل صورت ہی محبت کرنے کے قابل ہوتی ہے-

انہی احکام کے ماتحت صوفیاء نے اسلام کا خلاصہ یہ بیان کیا ہے کہ اللہ تعالیٰ سے محبت اور بنی نوع انسان سے شفقت- جس کا مطلب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ سے تعلق صفاتِ تنزیہہ کو ظاہر کرتا ہے اور بنی نوع انسان سے تعلق صفاتِ تشبیہہ کو ظاہر کرتا ہے- اور جب یہ دونوں کامل ہوں تو خدا کی صورت نظر آجاتی ہے- اسی وجہ سے اسلام نے ہمدردی اور شفقت کی تعلیم دنیا کو دی- ہزارہا احکام رسول کریم ﷺ کے ایسے ملتے ہیں جو بظاہر تمدنی احکام نظر آتے ہیں مگر ان میں شفقت عَلَی النَّاسِ پائی جاتی ہے- کتنی چھوٹی چھوٹی باتوں کا رسول کریم ﷺ نے خیال رکھا- آپ نے فرمایا راستوں میں پاخانہ نہ پھرو[1]' کانٹے اور پتھر وغیرہ تکلیف دینے والی چیزیں راستہ میں ہوں تو انہیں ہٹادو[2] - بے کس کی مدد کرو- یہاں تک کہ اگر تم سوار ہوکر کہیں جارہے ہو- اور ایک تھکی ماندی غیرقوم کی عورت دیکھو اور تم اسے منزل مقصود پر پہنچادو تو یہ تمہارے لئے ثواب کا موجب ہوگا[3] - پھر ایک لقمہ بھی جو تم اپنی بیوی کے منہ میں ڈالتے ہو' یہ ایک نیکی ہے جس کا تمہیں ثواب ملے گا[4] - اسی طرح فرمایا- جب کسی دوست سے ملو تو خوشی اور بشاشت سے ملو[5] - جب کوئی شخص ظلم کرتا ہو تو اسے ظلم سے روکو[6] - مصیبت زدہ کو دیکھو تو حتی المقدور اس سے ہمدردی کرو[7] - ہمسائے کا

خیال رکھو۸ - اس طرح باتیں نہ کرو کہ لوگوں کو تمہاری آواز بُری معلوم ہو۹ - حتّٰی کہ احساسات کا خیال اس قدر رکھا کہ فرمایا- جب مجلس لگی ہو تو دو آدمی ایک دوسرے سے کانوں میں باتیں نہ کریں- شاید کسی کو خیال گزرے کہ وہ اسی کے متعلق باتیں کر رہے ہیں۱۰ - مسجدوں میں جاؤ تو بُودار چیزیں کھا کر نہ جاؤ۱۱ - دیکھو کس طرح کان' ناک' آنکھ اور ہاتھ وغیرہ کا اسلام نے خیال رکھا ہے- گویا ہر انسانی عضو جو ہے اس کے شر سے لوگوں کو بچانے کی کوشش کی ہے- اور اس کے خیر سے لوگوں کو متمتع کرنے کی تلقین کی ہے- بظاہر یہ تمدنی احکام ہیں مگر یہ خدا تعالیٰ تک پہنچانے کے ذرائع میں سے ایک ذریعہ ہیں- انہی امور کو مدنظر رکھتے ہوئے میں نے دو سال ہوئے "احمدیہ کور" قائم کرنے کا حکم دیا تھا- مگر مجھے افسوس ہے کہ اب تک محکمہ متعلقہ نے اس حکم کی پورے طور پر تعمیل نہیں کی- "احمدیہ کور" نام کی تو بنی ہوئی ہے مگر جس رنگ میں مَیں نے حکم دیا تھا' وہ ابھی پورا نہیں ہوا- مَیں نے کہا تھا کہ پندرہ سال سے لے کر ۲۵ سال کی عمر تک ہر احمدی کو جبری طور پر اس کور میں بھرتی کیا جائے- مگر اس حکم کی تعمیل جو کچھ میں نے پچھلے دنوں دیکھی' وہ یہ تھی کہ کُل ۳۵ نوجوان کور میں موجود تھے- حالانکہ قادیان میں سے ہی ایک ہزار نوجوان اس عمر کے اکٹھے کئے جاسکتے تھے- جب محکمہ متعلقہ نے قادیان سے کُل ۳۵ نوجوان جمع کئے ہیں تو یقیناً باہر کی جماعتوں کا جو حال ہوسکتا ہے وہ ظاہر ہے' بہرحال یہ نقص مجھے نظر آیا- اس کی طرف تو میں بعد میں توجہ کروں گا مگر ایک چیز جو میرے لئے خوشی کا موجب ہوئی' وہ یہ کہ پریڈ دیکھنے کے معاً بعد قادیان میں ہیضہ کی شکایت پیدا ہوگئی- میں نے "احمدیہ کور" کے نوجوانوں کے متعلق حکم دیا کہ ان کو اس موقع پر بیماروں کی خدمت اور دوسرے کاموں کیلئے بلالیا جائے- احمدیہ کور میں گو ایسے نوجوان بھی ہیں جن کی اخلاقی حالت پر ہمیں اعتراض رہا ہے- اور اس کور کی ایک غرض یہ بھی ہے کہ ایسے نوجوانوں کی اصلاح ہو مگر جو رپورٹیں مجھے پہنچی ہیں' ان سے معلوم ہوتا ہے کہ ان لڑکوں نے نہایت ہی محنت کے ساتھ دن رات ایک کرکے کام کیا- اور یہ بات ہمیں امید دلاتی ہے کہ اگر احمدیہ کور کے نظام کو وسیع کیا جائے تو لڑکوں کی اخلاقی حالت کی درستی میں بھی ہمیں بہت کچھ مدد مل سکتی ہے- لیکن مجھے افسوس سے کہنا پڑتا ہے کہ ہیضہ کی شکایت کے موقع پر جو ایک عام مصیبت کا وقت تھا اور صرف ہیضہ ہی نہیں بلکہ ہر ایک وبا مصیبت ہوتی ہے- کیونکہ کوئی پتہ نہیں ہوتا اس میں کون کس وقت مبتلا ہوجائے گا- اور بعض جگہ تو ایسی

شدت سے وبائیں پڑتی ہیں کہ گھروں کے گھر ویران ہوجاتے ہیں۔ ایسی حالت میں لوگوں نے ان کے ساتھ جو صفائی پر مقرر تھے، تعاون نہیں کیا۔

مستقل نظام کی غرض یہ ہوتی ہے کہ جب ایک عام مشکل کا وقت آجائے تو اس وقت وہ نظام کام آئے۔ ورنہ اپنی اپنی صلیب تو ہر شخص کو اٹھانی ہی پڑتی ہے۔ نظام کے قائم کرنے کی غرض یہ ہوتی ہے کہ بغیر دیر لگنے کے کام شروع ہوجائے۔ گویا قوم تیار رہتی ہے کہ کوئی مصیبت آئے، وہ اس کا مقابلہ کرنے کیلئے آمادہ ہے۔ مگر معلوم ہوتا ہے لمبا امن بھی انسان کو غافل کردیتا ہے۔ جنگ سے پہلے انگریزوں کا نظام بہت مشہور تھا۔ مگر جنگ کے ایام میں بڑے بڑے لوگوں نے تسلیم کیا کہ انگریزی جرنیلوں میں سے کوئی بھی خاص شان کا ثابت نہیں ہوا۔ یہاں تک کہ ایک بہت بڑے ہوشیار جرنیل نے جو جنگ کے دنوں میں نہایت اعلیٰ عہدے پر رہا، مجھ سے ذکر کیا کہ کوئی ایک شخص بھی ایسا نہیں تھا جس کی قوم میں خاص عزت ہوتی۔ اور ہم محسوس کرتے تھے کہ ہماری فوج گو عام نظام کے لحاظ سے کام دے رہی ہے۔ مگر اس کی ایسی پوزیشن نہیں کہ اس میں سے کوئی شخص سب پر بالا ثابت ہوسکے۔ یہ نتیجہ تھا اس اطمینان کا جو انگریزی قوم میں پیدا ہوچکا تھا۔ جب تک وہ خطرات میں گھرے رہے، اُس وقت تک ان میں ولنگٹن (WELLINGTON)، نیپیئر (NAPIER) اور کلائیو (CLIVE) جیسے لوگ پیدا ہوتے رہے۔ مگر جب اطمینان کا لمبا دَور آیا اور لوگ آسائش کی طرف مائل ہوگئے تو انسانی فطرت جس میں اللہ تعالیٰ نے یہ مادہ رکھا ہے کہ وہ زور لگانے سے ترقی کرسکتی ہے، کمزور ہوگئی۔ اور اس طرح قوم کی ترقی رُک گئی۔ اِس وقت تقریباً ہر جرنیل کے متعلق کتابیں لکھی جارہی ہیں۔ اور ثابت کیا جارہا ہے کہ ان میں سے کوئی بھی خاص شان کا ثابت نہیں ہوا۔

لائڈ جارج (LLOYED GEORGE) نے لارڈ کِچنر کے خلاف ایسے مضامین لکھے ہیں کہ ان سے معلوم ہوتا ہے کہ لارڈ کِچنر جیسا جنگ سے ناواقف شخص ہی کوئی نہیں تھا۔ وہ لکھتے ہیں کہ ان بیس دنوں میں جبکہ انگلستان کیلئے زندگی اور موت کا سوال درپیش تھا، میدانِ جنگ سے آئے ہوئے تاروں کو لارڈ کِچنر جو وزیر جنگ تھے۔ پڑھتے ہی نہ تھے۔ حتّٰی کہ جب عام لوگوں میں خبر مشہور ہوجاتی تو انہیں بھی معلوم ہوتا۔ اور بعد میں پتہ لگتا کہ دفتر میں دیر سے ایسے تار پہنچ چکے ہیں۔ اب نہ معلوم ان میں مبالغہ ہے، زیادتی ہے یا کیا ہے۔ بہرحال یہ کہنا پڑتا ہے کہ لمبے امن کی وجہ سے ان کے کام میں نقائص پیدا ہوئے۔ اسی طرح

شاید لمبے امن کے نتیجہ میں یا کسی اور وجہ سے میں نے دیکھا کہ اس موقع پر فوراً ہمارے محکموں نے اپنی ذمہ داری کو محسوس نہیں کیا- شاید یہ وجہ تھی کہ انہوں نے ابتداء میں خیال کیا کہ ایک دو کیس ہوئے ہیں' خطرے کی کون سی بات ہے- حالانکہ اصول یہ ہے کہ جس بیماری کے متعلق یہ معلوم ہو کہ وہ پھیلنے والی ہے اس کا ایک کیس نہیں بلکہ آدھا کیس بھی ہو تو انتظام ضروری ہوتا ہے- آدھا کیس کا مطلب یہ ہے کہ اگر کوئی وبائی مرض کا مریض ایک جگہ ٹھہر کر پھر کسی دوسری جگہ روانہ ہوجائے یا ایک شخص وبائی مرض میں مبتلا ہوکر اچھا ہوجائے تو اس پر بھی ذمہ دار لوگوں کو ہوشیار ہوجانا چاہیئے- کیونکہ یہ بیماری اپنی ذات میں ہی ایسی ہے کہ خدا نے اس کو پھیلنے کیلئے بنایا ہے- یہی وجہ ہے کہ گو عام وبائی بیماریوں سے اتنی موتیں نہیں ہوتیں جتنی دوسرے امراض سے ہوتی ہیں- مگر وبائی امراض سے عام گھبراہٹ اور بے چینی پیدا ہوجاتی ہے- کیونکہ ان کے متعلق امکان ہوتا ہے کہ یہ ملکوں کے ملکوں کا صفایا کردیں- ایک دفعہ روس میں ہیضہ پھیلا- وہاں سے یورپ میں گیا اور گاؤں کے گاؤں اس نے ویران کردیئے- جیسے آندھی چلتی ہے اور چیزوں کو اُڑا لے جاتی ہے- اسی طرح ہیضہ پھیلا اور سینکڑوں شہر اور دیہات برباد ہوگئے- یہی حال طاعون اور انفلوئنزا کا ہوتا ہے- جب یہ بیماریاں زور پکڑ جائیں تو ان کا سنبھالنا نہایت مشکل ہوتا ہے- یہ بیماریاں آگ کی طرح ہوتی ہیں- بچے بھی دیا سلائی جلاکر پھونک مارتے ہیں تو بُجھ جاتی ہے- لیکن جب آگ قبضہ سے باہر ہوجائے تو کس طرح میلوں میل بربادی پھیلاتی چلی جاتی ہے- یہی حال وباؤں کا ہوتا ہے-

پس وبا کا مقابلہ کرنے کیلئے فوراً تیار رہنا چاہیئے- کیونکہ خدا نے اس کے اندر یہ خاصیت رکھی ہوتی ہے کہ وہ بڑھے اور پھیلے- مگر مجھے افسوس ہے کہ فوری طور پر انتظام نہیں کیا گیا- اور جب انتظام کیا گیا تو لوگوں نے اس کا مقابلہ کیا- میرے پاس رپورٹیں پہنچی ہیں کہ جب کنوؤں میں دوائی ڈالنے کیلئے بعض کے گھروں پر آدمی گئے تو انہوں نے دوائی ڈالنے والوں کو گالیاں دیں- اس ضمن میں میرے پاس ایسے ایسے اشخاص کے نام پہنچے ہیں کہ میں نے پڑھ کر انگشت بدنداں ہونے کے سوا کوئی چارہ نہ دیکھا- ان میں تعلیم یافتہ لوگ بھی ہیں- اور میں سمجھ ہی نہیں سکتا کہ وہ ایسی بیوقوفی کے مرتکب کس طرح ہوئے- مجھے تو یہ حالات پڑھ کر وہ قصہ یاد آجاتا رہا- کہتے ہیں کہ کوئی کشمیری سخت گرمی کے دنوں میں دھوپ میں بیٹھا ہوا تھا- ایک شخص پاس سے گزرا تو اسے کہنے لگا- میاں! تمہارے پاس ہی سایہ ہے' دھوپ میں کیوں

بیٹھے ہو- وہ کہنے لگا سایہ میں بیٹھوں تو کیا دو گے- وہ دوا جو لوگوں کی جانیں بچانے کیلئے کنوؤں میں ڈالی گئی اس کے ڈلوانے سے نہ صرف بعض لوگوں نے انکار کیا بلکہ ڈالنے والوں کو گالیاں دیں- میں حیران ہوں کہ ایک تو وہ ہیں جو اپنی جانوں کو خطرات میں ڈال کر مریضوں کی نگہبانی کرتے ہیں- گلیوں' بازاروں اور کنوؤں کی صفائی کا اہتمام کرتے ہیں- اور ایک گھر بیٹھے کام کرنے والوں کو بُرا بھلا کہتے ہیں- پھر ڈاکٹر جو کام کرتے ہیں' ان کی جان بھی خطرے میں ہوتی ہے- ہماری جماعت کے ایک نہایت ہی مخلص دوست ڈاکٹر بوڑے خان صاحب تھے- حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کی کتابوں میں بھی ان کا ذکر آتا ہے- ایک دفعہ ان کے پاس ایک مریض آیا- انہوں نے اس کا آپریشن کیا- وہ بیمار تو شاید اچھا ہوگیا- مگر اس کے زہر کی وجہ سے ان کا دوسرے دن انتقال ہوگیا- ان کی جلد پر کچھ خراش تھی- جس سے وہ زہر سرایت کرگیا اور وفات پاگئے- پس ڈاکٹر' کمپونڈر اور منتظم اپنی جانوں کو خطرے میں ڈالتے ہیں اور یہ ان کا احسان ہوتا ہے- لیکن بجائے ان کی قدر کرنے کے اُلٹا اُن پر ناراض ہونا بہت قابلِ تعجب بات ہے- ایسے موقع پر چاہیئے تو یہ تھا کہ لوگ کہتے ہمارا نظام زیادہ حرکت کیوں نہیں کرتا- اور بجائے اس کے کہ کنوؤں میں دوائی ڈالنے پر انہیں اعتراض ہوتا' وہ کہتے کہ اور دوائی کیوں نہیں ڈالی گئی- چنانچہ مجھے کئی دنوں تک یہ اعتراض رہا کہ کنوؤں میں دوائی کم ڈالی گئی ہے جس کا کوئی فائدہ نہیں- کیونکہ جو پانی ہمارے ہاں آتا تھا وہ اتنا سرخ نہیں ہوتا تھا جتنا کیڑوں کی ہلاکت کیلئے ہونا چاہیئے- اور میری طرف سے اصرار تھا کہ اور دوائی ڈالو تاکہ پانی صاف ہوسکے- پس ان دنوں مجھے بعض لوگوں کی عجیب قسم کی ذہنیت معلوم ہوئی- اور پتہ لگا کہ نہ صرف ہماری جماعت میں بلکہ قادیان میں ایسے آدمی موجود ہیں جو ایسے نازک وقت میں تین چار دن بھی پانی کی معمولی سی تکلیف برداشت نہیں کرسکتے- حالانکہ یہاں کثرت سے نلکے ہیں جن کا پانی نسبتاً اچھا سمجھا جاتا ہے اور پانی کی زیادہ تکلیف محسوس نہیں ہوسکتی- اگر ایسے لوگ جہاں نلکوں کا پانی نہ ملتا ہو شکوہ کریں تو ان کا شکوہ بھی درست نہیں سمجھا جاسکتا مگر جہاں کثرت سے نلکے ہوں' وہاں لوگوں کا دو چار دن کیلئے تکلیف اُٹھالینا کوئی بڑی بات نہیں مگر مجھے افسوس ہے کہ بعض لوگوں نے اس موقع پر اپنے آپ کو فیل شدوں میں داخل کیا اور پاس شدگان سے نکال لیا- پھر ان بچوں کو جنہوں نے اپنی جانیں خطرہ میں ڈالیں' گالیاں دینا اور بھی قابل شرم بات ہے- انہیں چھٹیاں تھیں اور ان کے یہ کھیلنے کُودنے کے دن تھے مگر باوجود

اس کے کہ وہ بچے تھے اور ان کیلئے کھیلنے کا موقع تھا' انہوں نے ایسا نمونہ دکھایا جو دوسروں کیلئے قابلِ شرم ہے۔ اور مجھے بھی اس لئے شرم آئی کہ میں نے دیکھا میرے بچے ان میں نظر نہ آئے۔ میں پوچھنے والا ہی تھا کہ میرے بچے ان میں کیوں شامل نہیں ہوئے اور میں نے اپنی ایک بیوی سے آج ہی اظہارِ افسوس کیا کہ میں نے تمہارے بچوں کو ان خدمت کرنے والے بچوں میں نہیں دیکھا جس کا مجھے بہت دکھ ہے۔

جب قومی مصیبت کا وقت آئے تو ہر فرد کا کام ہوتا ہے کہ وہ اپنے آپ کو بطور والنٹیئر پیش کرے۔ فردی مصیبتوں میں بھی اسلام نے ہمدردی کا حکم دیا ہے اور قومی مصیبت تو ایسا رنگ رکھتی ہے جس میں ہمدردی کے لحاظ سے کسی قسم کا دریغ کرنا انسان کو ایمان سے خارج کردیتا ہے۔ پس نہ صرف یہ کہ لوگوں کو مزاحم نہیں ہونا چاہیئے تھا بلکہ ہر ماں باپ کو محسوس کرنا چاہیئے تھا کہ ہمارے بچوں کو اس میں کیوں شامل نہیں کیا گیا۔ میں نے بیشک "احمدیہ کور" کے نوجوانوں کو ہی اس غرض کیلئے تجویز کیا تھا مگر مجھے یہ معلوم نہیں تھا کہ اس کور میں صرف پینتیس (۳۵) نوجوان ہیں۔ اگر مجھے معلوم ہوتا کہ والنٹیئروں کی اس قدر قلت ہے تو میں حکم دیتا کہ اپنے آپ کو جو شخص چاہے اس خدمت کیلئے پیش کرے۔ میں یہی خیال کرتا رہا (گو میں پریڈ کے موقع پر دیکھ چکا تھا) کہ والنٹیئر صرف اسی قدر نہیں بلکہ باقی پچھلے سال سیکھ چکے ہیں' وہ شامل نہیں کئے گئے۔ اگر مجھے معلوم ہوتا کہ اس قدر والنٹیئر ہیں تو میں کہتا کہ باقی نوجوانوں سے بھی امداد حاصل کی جائے تاکہ کسی غلط فہمی کے باعث کوئی نوجوان ثواب سے محروم نہ رہ جائے۔ پس ایک طرف تو میں ان نوجوانوں کی خدمت پر اظہار خوشنودی کرتے ہوئے اللہ تعالیٰ سے دعا کرتا ہوں کہ وہ ان کی کمزوریوں پر پردہ ڈالے۔ انہیں نیکیوں کی توفیق عطافرمائے اور اعلیٰ درجہ کی ترقیات عطا کرے۔ اور دوسری طرف میں جماعت کے ان لوگوں پر اظہارِ افسوس کرتا ہوں جنہوں نے جہالت کا نمونہ دکھایا۔ یاد رکھو ایمان اور علم اکٹھے ہوتے ہیں۔ ایمان اور جہالت اکٹھے نہیں رہ سکتے۔ اِلَّامَاشَاءَ اللّٰہ کسی کو غلطی لگے تو یہ اور بات ہے۔ حضرت عمرؓ کے زمانہ میں ایک دفعہ شدید طاعون پھیلا۔ آپؓ نے صحابہ سے مشورہ لیا کہ کیا کرنا چاہیئے سب نے کہا کہ لوگ پہاڑوں پر پھیل جائیں [۲] - آج بھی طاعون کا یہ بہترین علاج سمجھاجاتا ہے کہ لوگ کھُلی جگہوں میں پھیل جائیں۔ اس وقت ایک صحابی ایسے بھی تھے۔ جن کی سمجھ میں یہ بات نہ آئی وہ حضرت ابوعبیدہؓ تھے۔ جو کمانڈر انچیف تھے اور بہت بڑے صحابی تھے۔

انہوں نے کہا اے عمرؓ! کیا آپ خدا کی قضاء سے بھاگتے ہیں اَتَفِرُّمِنْ قَضَاءِ اللّٰہِ۔ آپ نے فرمایا۔ اَفِرُّ مِنْ قَضَاءِ اللّٰہِ اِلٰی قَضَاءِ اللّٰہِ [3] ہاں میں خدا کی قضاء سے بھاگ کر خدا کی قضاء کی طرف ہی جا رہا ہوں خدا کی خدائی سے تو باہر نہیں جا رہا۔ یہ صحابہؓ کا طریق عمل موجود ہے۔ اور گو ایک صحابی نے غلطی بھی کی لیکن کثرت نے غلطی نہیں کی مگر یہاں ہر محلّہ میں ایسی مثالیں پائی گئیں کہ لوگوں نے نظام کا مقابلہ کیا۔حالانکہ یہاں صرف ان کی ذات کا یا ان کے بیوی بچوں اور محلے والوں کی زندگی کا سوال نہیں تھا بلکہ قادیان والوں کی عزت اور خود قادیان کی عزت کا سوال تھا۔ مگر اتنی چھوٹی سی بات پر کہ کنوؤں میں دوائی ڈالی گئی۔ بعض نے برا منایا، علاج کرانے سے انکار کیا گیا۔ اس میں شبہ نہیں کہ مریضوں کے ساتھ شروع شروع میں وہ سلوک نہیں ہوا جو ہونا چاہیئے تھا۔ مگر ان سب باتوں کا علاج ہو سکتا تھا اور وہ علاج یہ تھا کہ براہ راست میرے پاس شکایت کی جاتی۔ جہاں میں اس بات کو سخت ناپسند کرتا ہوں کہ مقررہ نظام سلسلہ کی پابندی نہ کرتے ہوئے کوئی معاملہ براہ راست میرے سامنے پیش کیا جائے۔ وہاں میں کئی دفعہ بتلا چکا ہوں کہ ایسی باتیں جو وقتی ہوتی ہیں اور فوری اصلاح کی محتاج ان میں کسی انتظار کی ضرورت نہیں ہوتی۔ میرے سامنے فوراً وہ معاملہ پیش کرنا چاہیے مگر لوگ اس کے برعکس کرتے ہیں۔ بعض دفعہ نہایت ہی ضروری مضمون سامنے ہوتا ہے، توجہ اس کی طرف لگی ہوتی ہے، دروازہ زور زور سے کھٹکھٹایا جاتا ہے۔ اور جب کنڈی کھولی جاتی ہے تو ایک چھوٹا سا بچہ ہوتا ہے جس کے ہاتھ میں ایک رُقعہ ہوتا ہے اور اس میں لکھا ہوتا ہے میرے لئے دعا کریں۔ محمد احمد طالب علم جماعت دہم۔ بھلا یہ بھی کوئی رُقعہ میں لکھنے والی بات تھی۔ وہ مجھ سے زبانی بھی یہ کہہ سکتا تھا۔ اور مسجد میں آنے کے وقت کہہ سکتا تھا مگر اس طرح سارا دن رُقعوں پر رُقعے چلتے ہیں جن میں کوئی ضروری بات نہیں ہوتی۔ لیکن کوئی اہم امر جو فوری توجہ کا محتاج ہو، اس کے متعلق اطلاع دینے میں سُستی دکھائی جاتی ہے۔

پس ہر بات سوچ سمجھ کر کرنی چاہیے۔ دعا کیلئے اس طرح رُقعے لکھنے وقت کو ضائع کرنا ہوتا ہے۔ بہترین طریق یہ ہے کہ جسے ضرورت ہو وہ خاص موقعوں پر زبانی یاددہانی کرادے۔ ورنہ یوں تو ہمیشہ ہی دعاہوتی رہتی ہے۔ خاص موقعوں کی دعا اہمیت رکھتی ہے۔ اور اس وقت بھی زبانی یاد کرانا رُقعہ لکھنے کی نسبت زیادہ بہتر ہوتا ہے۔ سوائے ان لوگوں کے جو قادیان سے باہر رہتے ہیں یا سوائے ان بیماروں کے جو قادیان میں ہوں مگر چل کر نہ آسکتے ہوں۔ ان کے

علاوہ باقی قادیان کے لوگوں کو رقعوں میں دعا کیلئے لکھنے کی بجائے زبانی یاددہانی کرانی چاہیئے۔ مگر جس طرح وہ غلطی ہے اسی طرح یہ بھی غلطی ہے کہ اہم ضرورت درپیش ہو اور مجھے اطلاع نہ کرائی جائے۔ اگر کسی شخص کو ہیضہ ہو جائے یا کوئی اور وبائی مرض، تو چاہے دن ہو یا رات اگر اس کیلئے کوئی انتظام نہیں ہوتا تو ہر وقت مجھے اطلاع کرائی جاسکتی ہے اور خداتعالیٰ کے فضل سے میں اس کیلئے انتظام کر سکتاہوں۔ مگر بعض لوگوں نے اس وقت شکوہ کیا جب مریض فوت ہو چکا یا اچھاہو کر ہسپتال سے آگیا۔ فوجوں میں قانون ہے کہ جب کوئی شکایت پیدا ہو اسی وقت پیش کرو۔ بعد میں اگر شکایت کی جائے تو اس پر کوئی توجہ نہیں کی جاتی۔ بلکہ ابھی پچھلے دنوں دو افسروں کی لڑائی ہوئی جب مقدمہ چلا تو بڑے افسر کو سزا ہوئی۔ مگر چھوٹے کو بھی اس وجہ سے سزا دی گئی کہ اس نے اپنے جواب دعویٰ میں ایک چھ مہینہ پہلے کی اپنے افسر کی کسی غلطی کا ذکر کیا تھا۔ اسے کہا گیا کہ تُو نے اِس کا اُسی وقت ذکر کیوں نہ کیا؟ اگر نہیں کیا تو اس کا مطلب یہ ہے کہ تم یہ غلطی معاف کرچکے تھے۔ اور اب کرتے ہو تو اس کا مطلب یہ ہے کہ تم کینہ توز ہو۔ غرض اس وقت کی شکایت فائدہ دے سکتی ہے جب اس کا ازالہ کیا جاسکے۔ بعد میں شکایت کرنا کینہ پر دلالت کرتا ہے۔ اور کینہ رکھنا مومن کا کام نہیں ہوتا۔ چاہیئے کہ جس وقت کوئی شکایت پیدا ہو اور ضروری ہو، وہ اسی وقت پیش کی جائے۔ ہاں بعض شکایتیں ایسی بھی ہوتی ہیں جو اہم نہیں ہوتیں۔ ان میں اگر دوچار دن کی دیر ہوجائے تو کوئی بات نہیں۔ پس ہسپتال میں گو نقائص بھی تھے مگر ایسے نقائص دور ہوسکتے تھے۔ پھر یہ بات بھی یاد رکھنی چاہیئے کہ مریضوں کا اسی میں فائدہ ہوتا ہے کہ انہیں ہسپتال پہنچادیا جائے۔ کیونکہ اس طرح تمام مریض کسی نہ کسی ڈاکٹر کے ہروقت زیرنظر رہتے ہیں۔ لیکن گھروں میں علیحدہ علیحدہ ڈاکٹر اس توجہ سے مریضوں کو نہیں دیکھ سکتے جس طرح وہ ایک جگہ دیکھ سکتے ہیں۔ پھر اس میں یہ بھی فائدہ ہے کہ مرض اس طرح محدود جگہ میں رہتا ہے اور زیادہ شدت سے نہیں پھیل سکتا۔ پس یہ جماعت کے فائدہ کی باتیں ہیں۔ مگر باوجود اس کے بعض نے کنوؤں میں دوائی ڈالنے والے بچوں کو گالیاں دیں۔ چونکہ وہ طالب علم ہیں اس لئے قابلِ معافی ہیں۔ ورنہ ایسے موقع پر شکایت کرنا بھی درست نہیں ہوسکتا۔ جو لوگ خدا کیلئے کام کرتے ہیں، وہ اس بات کی پرواہ نہیں کیا کرتے کہ لوگ انہیں کیا کہتے ہیں۔ مگر چونکہ وہ بچے ہیں اور اخلاق کا اعلیٰ معیار ابھی نہیں سمجھتے، اس لئے قابلِ معذوری ہیں۔ اس نظام میں ایک نقص یہ بھی ہوگیا

کہ خود ناظر امور عامہ ہسپتال میں جاتے اور وہاں کافی عرصہ مریضوں کی نگہداشت کے متعلق کام کرتے۔ میرے نزدیک چاہیئے یہ تھا کہ بجائے اس کے کہ خود ناظر امورعامہ وہاں جاتے' ایک افسر مقرر کردیا جاتا جو وہاں کے کام کی نگرانی کرتا۔ اور ناظر امورعامہ تمام نظام کی نگرانی کرتے۔ اسی طرح اس لئے بھی نقص ہوا کہ کام کرنے والے لوگوں کو پتہ نہیں تھا کہ ان کی ذمہ داریاں کیا ہیں۔ مثلاً خیمے لگانا یہ ڈاکٹروں کاکام نہیں بلکہ والنٹیئروں کا تھا۔ اس امر کو نہ سمجھنے کی وجہ سے بھی نقص پیدا ہوگئے۔ آئندہ کیلئے چاہیئے کہ ایسے موقعوں پر ایک کمانڈر انچیف مقرر کردیا جائے اور اس کے ماتحت کام کرنے والوں کے الگ الگ فرائض مقرر کردیئے جائیں۔ اور کمانڈر انچیف کبھی بھی ناظر امورعامہ نہیں ہونا چاہیئے۔ کمانڈر انچیف اور وزارت کا عہدہ کبھی بھی اکٹھا نہیں ہوا۔ اور اگر اکٹھا کیا گیا تو کام خراب ہوگیا۔ خلفاء بھی کمانڈر انچیف نہیں ہوسکتے۔ ہاں انبیاء یہ فرض بھی سرانجام دیتے ہیں کیونکہ ان کا کام یہ ہوتا ہے کہ وہ ہر وقت لوگوں کی تربیت کریں۔ اور ان کی موجودگی ہر وقت ہی ضروری ہوتی ہے۔ ناظر امورعامہ کا یہ کام ہے کہ ایسے موقعوں پر وہ جس کو کمانڈر انچیف مقرر کریں۔ اور جو اس کے ماتحت ہوں۔ ان کے متعلق دیکھیں کہ وہ دیانتداری اور پوری سرگرمی سے کام کررہے ہیں یا نہیں۔

پس ایسے موقعوں پر امورعامہ کوچاہیئے کہ وہ زیادہ تنظیم اور زیادہ آرگنائزیشن کا ثبوت پیش کرے کیونکہ وبائی ایام ایک عام مصیبت کے ایام ہوتے ہیں۔ انتظام ایسا ہونا چاہیئے کہ کوئی گھبراہٹ اور افراتفری پیدا نہ ہو۔ میں ایک دفعہ پھر امورعامہ کو توجہ دلاتا ہوں کہ وہ فیصلہ جو مجلس شوریٰ کے ذریعہ میں نے کیا تھا' یہ نہیں تھا کہ وہ ۳۵ آدمیوں کی ایک کور بنادے۔ بلکہ میرا فیصلہ یہ تھا کہ پندرہ سال سے لے کر ۲۵ سال کی عمر تک کے تمام نوجوانوں کو اس میں جبری طور پر بھرتی کیا جائے تاکہ ان کے اخلاق کی نگرانی ہو اور تاکہ ان نوجوانوں کو قومی اور دینی خدمت کا موقع مل سکے۔ کیونکہ بعض موقعوں پر قومی خدمت کرنا بھی ضروری ہوجاتا ہے۔ اور گو ہمارے لئے دین مقدم ہے مگر چونکہ بعض قومی کام بھی دین کے تابع ہوتے ہیں اس لئے ان میں بھی حصہ لینا چاہیئے۔ اور اپنے اندر قربانی کا مادہ پیدا کرنا چاہیئے۔ اسی طرح جہاں مَیں بعض لوگوں پر اس لئے اظہارِ افسوس کرتا ہوں کہ انہوں نے کام میں رکاوٹیں ڈالیں' وہاں کور کے نوجوانوں کے کام پر اظہارِ خوشنودی کرتا ہوں اور اللہ تعالیٰ سے دعا کرتا ہوں کہ وہ

انہیں ایسے کاموں کی توفیق عطا فرمائے جو خالص اس کی رضا کے ہوں۔ ان کی تربیت نہایت اعلیٰ پیمانہ پر کرے' انہیں دینی خدمات کی توفیق عطا فرمائے اور ان کے اخلاص میں برکت دے۔ اور نہ صرف انہیں بلکہ تمام نوجوانوں کو توفیق عطا فرمائے۔ ہر شخص ان میں سے اپنے آپ کو تیار رکھے اور ضرورت کے وقت اس کا قدم پیچھے نہ ہٹے بلکہ آگے کی طرف بڑھے۔

خطبہ ثانی میں فرمایا:۔

میں چاہتا ہوں کہ جن دوستوں نے ابھی تک ٹیکا نہیں کرایا' وہ ضرور ٹیکا کرالیں۔ کیونکہ جہاں طاعون کے ٹیکا کے متعلق ہمارا یہ فتویٰ ہے کہ مخلص احمدیوں کو نہیں کرانا چاہیئے' وہاں یہ ٹیکا کرانے میں کوئی حرج نہیں۔ پچھلے جمعہ میں نے ٹیکا کرایا تھا۔ جس کی وجہ سے نماز جمعہ کے وقت بخار ہوگیا اور میں نہ آسکا۔ آج بھی ٹیکا کراکے آیا ہوں اور اب اپنے جسم میں درد محسوس کرتا ہوں۔ اس لئے دوست جاتے وقت مجھ سے مصافحہ نہ کریں۔

(الفضل ۵ - اکتوبر ۱۹۳۳ء)

---

۱؎ مسلم کتاب الطھارۃ باب النھی عن التخلی فی الطرق والظلال

۲؎ مسلم کتاب البر والصلۃ باب فضل ازالۃ الاذٰی عن الطریق

۳؎

۴؎ بخاری کتاب الفرائض باب میراث البنات

۵؎ مسلم کتاب البر والصلۃ والادب باب استحباب طلاقۃ الوجہ عند اللقاء

۶؎ بخاری کتاب المظالم باب اَعِنْ اَخَاکَ ظَالِمًا اَوْ مَظْلُوْمًا

۷؎ بخاری کتاب المظالم باب لَا یَظْلِمُ الْمُسْلِمُ الْمُسْلِمَ وَلَا یُسْلِمُہٗ

۸؎ بخاری کتاب الادب باب من کان یومن باللّٰہ والیوم الاخر فلا یؤذِ جارہٗ

۹؎ بخاری کتاب الصلح باب ھل یشیر الامام بالصلح

۱۰؎ مسلم کتاب السلام باب تحریم مناجاۃ الاثنین دون الثالث بغیرہ رضاءہٖ

۱۱؎ بخاری کتاب الاطعمۃ باب ما یکرہ من الثوم وَالْبُقُوْلِ

۱۲؎ مسلم کتاب السلام باب الطاعون والطیرۃ میں حضرت ابو عبیدہ کے یہ الفاظ آئے ہیں "أفِرَارًا من قدر اللّٰہ" اور حضرت عمر کا جواب بایں الفاظ ہے "نفر من قدر اللّٰہ الٰی قدر اللّٰہ"